سعید احمد رفیق

"الکندی"

حالاتِ زندگی

مشہور عرب مفکر الکندی کے حالاتِ زندگی کے متعلق ہماری معلومات کچھ زیادہ نہیں۔ بہر حال اتنا معلوم ہے کہ الکندی کندا کے شاہانِ یمن کی نسل سے تھا۔ اس کا باپ اسحق بن صباح بنو عباس کے تین خلفاء، مہدی، ہادی اور ہارون کے زمانے میں کوفہ کا گورنر تھا۔ الکندی اسی زمانہ میں آٹھویں صدی کے آخر میں بمقام کوفہ پیدا ہوا۔ اس کا پورا نام ابو یوسف یعقوب ابن اسحٰق الکندی تھا۔ الکندی نے اپنی ابتدائی تعلیم بغداد اور بصرہ میں حاصل کی، اور اپنی زندگی کا کافی حصّہ یہیں بسر کیا۔ حصولِ تعلیم کے بعد وہ دربارِ شاہی سے متعلق ہوگیا۔ لیکن اس بات کے متعلق وثوق سے کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ دربارِ شاہی میں کتنا عرصہ رہا۔ دربار میں شاہی طبیب ہونے کے علاوہ یونانی اور سُریانی زبانوں کی مختلف علوم کی کتابوں کے عربی میں تراجم کرنا اور دوسروں کے تراجم کی تصحیح کرنا بھی اس کے فرائض میں شامل تھا، اور کوئی تعجب نہیں کہ کوئی انتظامی عہدہ بھی اس کے سپرد ہو۔ "مامون" اور "معتصم" کے دربار میں الکندی کی بڑی عزت تھی۔ اس نے عرصۂ دراز تک یہاں خوش حالی کی زندگی بسر کی۔ اس کا یہ زمانہ نہایت آرام اور اطمینان سے گذرا۔ اور اس نے اپنی زندگی ارسطو کے فلسفہ کے مطالعہ اور تدریس کے لیے وقف کردی۔ ارسطو اور دوسرے یونانی مفکرین کی کتابوں کے ترجمے کیے، ان کی شرحیں لکھیں، خلاصے تیار کیے اور خود بھی بہت سی کتابیں تصنیف کیں، فلسفہ کے مطالعہ نے اس کے خیالات میں پختگی اور ذہن میں جِلا پیدا کردی۔

الکندی بنو عباس کے مشہور خلفاء، مامون اور معتصم کے زمانہ میں دربار سے متعلق تھا۔ اور

زبردست عزت کا مالک۔ اوّل الذکر خلیفہ کے دورِ حکومت کو تاریخِ اسلام کا روشن ترین باب خیال کیا جاتا ہے۔ اس عہد میں مسلمانوں نے علوم وفنون میں جس قدر ترقی کی، نہ اس سے پہلے اس قدر ترقی کی تھی اور نہ اس کے بعد۔ وہ ماہرین علم وفن کا صرف مربی نہ تھا بلکہ خود بھی مختلف علوم وفنون میں کا دسترس رکھتا تھا۔ بغداد علم وحکمت زبردست مرکز تھا۔ بیت الحکمت میں بہت سے نامور علماء تصنیف وتالیف اور ترجمہ کے کام میں مشغول تھے۔ تحریکِ اعتزال اپنی انتہائی بلندیوں پر تھی۔ معتزلہ آزادیٔ ارادہ کے قائل اور آزاد خیال تھے۔ مامون خود بہت آزاد خیال تھا۔ لیکن تعجب ہے کہ اس آزادیٔ خیال کے باوجود امام احمد بن حنبل اور محمدؐ ابن نوح کو اختلاف رائے کی بناء پر سخت اذیتیں پہنچائی گئیں۔ بہرحال علم دوست حکمرانوں میں مامون کا نام صفِ اول بلکہ سرفہرست نظر آتا ہے۔ یہی وہ زمانہ تھا جس میں الکندی نے اپنی زندگی کا کافی حصّہ بسر کیا اور فلسفہ اور مختلف علوم کی ترقی میں کوشاں رہا۔

لیکن معتصم اور واثق کے بعد آزاد خیالی اور اعتزال کے خلاف ردِّ عمل ہوا۔ الکندی بھی اس ردِ عمل کی مصیبت سے نہ بچ سکا، وہ ایک آزاد خیال مفکر اور مذہبی مسائل میں معتزلہ سے کافی متاثر تھا۔ اس کی آزاد خیالی کی بناء پر متوکل سے اس کی شکایت کی گئی۔ اور اس پر الحاد کا الزام لگایا گیا۔ متوکل نے اس کی اور اس کے اسلاف کی خدمات کو نظر انداز کر دیا۔ اسے سزا دی گئی اور وہ دربار سے نکال دیا گیا اور اس کی تمام کتابیں ضبط کر لی گئیں۔ کچھ عرصہ بعد اس کی کتابیں اسے واپس تو مل گئیں لیکن ذہنی پریشانی کے بعد، قید سے بھی وہ بچ گیا، لیکن مصائب نے اسے گھیر لیا۔ اس کے بعد اس کی زندگی خلوت، عُزلت اور گمنامی میں بسر ہوئی۔ اسی حالت میں تقریباً ستر (۷۰) سال کی عمر میں اس کی وفات ہوئی۔ فلوگل اس کا سن وفات ۸۶۱ء، (۲۴۷ھ) بتاتا ہے اور ناجی ایطالی کے خیال میں اس نے ۸۷۳ء، (۲۶۰ھ) میں وفات پائی۔ اکثر مورخین ناجی ایطالی کے خیال سے متفق ہیں اور عام طور پر اس کا سن وفات ۸۷۳ء ہی مانا جاتا ہے۔

الکندی کا زمانہ:۔ الکندی وہ پہلا مفکّر تھا جو فلسفی کے نام سے مشہور ہوا۔ یہ اس جماعت کا

پیش رو تھا جس نے فلسفۂ یونان اور یونانی مفکرین خصوصاً ارسطو کا براہِ راست یا تراجم کے ذریعہ مطالعہ کیا اور یونانی فلسفہ کو نہ صرف زندہ کیا، زندہ رکھا، بلکہ اسے بہت زیادہ ترقی دے کر یورپ کو اس سے رُوشناس کیا، انھوں نے عالمِ اسلام میں ارسطو، افلاطون اور دوسرے یونانی مفکرین کے نظریات کو عام کیا، اور اپنی تحقیقی، استدلالی اور تخلیقی صلاحیتوں سے اسے آگے بڑھایا، اور جو کچھ یونان وغیرہ سے حاصل کیا تھا، اس میں کافی اضافہ کر کے یورپ کو اس کی روشنی سے منور کیا۔ آٹھویں صدی تک ارسطو کی اکثر کتابیں سریانی تراجم کے ذریعہ عربی میں منتقل ہو چکی تھیں۔

"سیاسیات" ضرور ایک ایسی کتاب تھی جو ان مسلم مفکرین کے علم میں نہ تھی۔ اس کی بجائے افلاطون کی "ریاست" اور "قانون" مقبول تھے۔ کچھ کتابیں ایسی بھی تھیں جو ارسطو سے غلط طور پر منسوب کر دی گئی تھیں۔ مثلاً "الٰہیات ارسطو" جو حقیقتاً فلاطینوس کی کتاب "اینیڈس" (ENNEADS) کے تین ابواب چہارم تا ششم کا ترجمہ تھی۔ اور "ڈی کوسس" (DE Causis) جو پروکلس کی "عناصر الٰہیات" کا خلاصہ تھی۔ بہرحال یونانی مفکرین کی اکثر کتابیں ان مسلم مفکرین کے علم اور مطالعہ میں تھیں لیکن آٹھویں صدی تک مسلم مفکرین یونانی زبان سے واقف نہ تھے۔ اس لیے انھیں مجبوراً سریانی تراجم اور شرحوں پر بھروسہ کرنا پڑا تھا۔ یہ تراجم اور شرحیں زیادہ تر نوفلاطینیوں کے زورِ قلم کا نتیجہ تھیں۔ اور اس طرح کم از کم شروع میں یہ مسلم مفکرین، ارسطو، افلاطون اور دوسرے یونانی مفکرین کی کتابوں اور خیالات سے براہِ راست مستفید نہیں ہو سکے، بلکہ انھوں نے ارسطو وغیرہ کا نوفلاطونی عینک سے مطالعہ کیا۔ لیکن آہستہ آہستہ مسلمانوں نے خود یونانی زبان پر عبور حاصل کر کے بلا کسی واسطے کے یونانی مفکرین کا مطالعہ شروع کیا اور ان کی تصانیف کو عربی کا جامہ پہنایا۔ اس طرح مسلم مفکرین میں سے نوفلاطونیت آہستہ آہستہ کم ہوتی گئی۔ کم از کم وہ ارسطو کے نظریات اور نوفلاطونیت میں واضح طور پر فرق کرنے لگے، اگرچہ کافی عرصہ تک مسلم فلسفیوں پر نوفلاطونیت کا کچھ نہ کچھ اثر ضرور باقی رہا۔ علاوہ ازیں تصوف کے دوسرے دور میں نوفلاطونیت اسلامی تصوف میں در آئی اور اسلامی تصوّف کو عجمی اثرات سے معمور کر دیا۔ یہی وہ عجمی تصوّف ہے جس کی مجدد الف ثانی اور

ڈاکٹر اقبال نے نہایت شد و مد سے مخالفت کی اور ملت اسلامیہ کو اس کے مضر اثرات سے خبردار کیا۔

مسلم مفکرین پر بعض مرتبہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ انھوں نے صرف ارسطو تک اپنا مطالعہ محدود رکھا۔ اور دوسرے یونانی مفکرین کے نظریات پر نہ غور و خوض کیا اور نہ ان سے استفادہ کیا لیکن یہ اعتراض زیادہ صحیح نہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ فلاسفہ کی جماعت نے زیادہ تر ارسطو اور نوفلاطونیت پر اپنی توجہ مبذول رکھی۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ انھوں نے دوسرے یونانی اور غیر یونانی مفکرین سے استفادہ نہیں کیا۔ انھوں نے ایک طرف ارسطو کے نظریات پر تنقید کی اور دوسری طرف ہیراکلوٹس، ایمپیڈوکلس، افلاطون، فیثاغورث سے استفادہ کیا۔ اور ان کے نظریات کو تنقیدی نقطہ نگاہ سے پیش کیا۔ انھوں نے نہ صرف مختلف مدارس فکر، اور مختلف مفکرین کا مطالعہ کیا، بلکہ ان نظریات کو ترقی دی، مختلف مسائل کو پیش کیا، اور ان پر اپنے نقطۂ نظر سے روشنی ڈالی۔ اس ضمن میں مسلم مفکرین کی جو خدمات ہیں، ان کی تفصیلات کا یہ موقع نہیں۔ بہرحال ان سے انکار ممکن نہیں اور بقول ڈریپر "عربوں نے علمی طور پر یورپ کو بہت زیادہ متاثر کیا اور وہ زمانہ دور نہیں۔ جب مسیحی دنیا اس حقیقت کو ماننے پر مجبور ہو جائے گی۔"

اس میں تو کوئی شک نہیں کہ الکندی عربی النسل تھا۔ رینان کہتا ہے "عجیب بات یہ ہے کہ ان فلاسفہ اور مفکرین میں جو عرب کہلاتے ہیں، صرف ایک ایسا فلسفی 'الکندی' ہے جو عربی النسل ہے۔ اس کے علاوہ باقی سب ایرانی ہسپانوی، اہل بخارا اور اہل سمرقند وغیرہ ہیں جو نہ صرف یہ کہ نسلی طور پر عرب نہ تھے، بلکہ ذہنی طور پر عرب نہ تھے۔" اولیری بھی اسی قسم کی بات کہتا ہے "عجیب بات یہ ہے کہ الکندی 'عربی فلسفہ کا باپ'، خود ان معدودے چند عربی فکر کے قائدین میں سے ہے جو نسلاً خالص عرب تھے۔ عالم اسلام کے حکما۔ اور فلاسفہ زیادہ تر نسلاً ایرانی، ترکی یا بربر تھے"

ڈی بور کے خیال میں "عربی النسل کا سب سے پہلا مسلم فلسفی ۔ الکندی ۔ عرب فلسفی کہلاتا

ہے۔ متقدمین شامی اور ایرانی تھے۔ اور متاخرین ترک اور بربر وغیرہ"۔ الفریڈ گلیوم الکندی کو پہلا اور آخر عرب فلسفی کہتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ الکندی کو پہلا اور آخر عرب فلسفی کہنا یا مفکرین میں صرف اسے عربی النسل قرار دینا غلط ہے۔ سید امیر علی نے اپنی کتاب "روح اسلام" میں اس نظریئے پر زبردست تنقید کر کے اسے غلط ثابت کیا ہے اور بتایا ہے کہ بہت سے فلاسفہ تاریخ دان، سائنس دان مفکرین، قواعد دان عربی النسل تھے۔ بہرحال اس میں شک نہیں کہ وہ پہلا عرب فلسفی اور مسلم فلسفہ کا موسس تھا۔ اس کے علاوہ اسے اور بھی بہت سے علوم مثلاً نفسیات، منطق، اخلاقیات، طب، فلکیات، ہندسہ، موسیقی پر دسترس حاصل تھی۔ اور ان تمام علوم پر اس نے متعدد کتب تصنیف کی ہیں۔

تصانیف

الکندی کے زمانے میں معتزلہ اپنی انتہائی بلندیوں پر تھے۔ مامون اس کا سرپرست تھا۔ اور وہ مذہبی اور علمی دنیا پر چھائے ہوئے تھے۔ الکندی نے بھی بحیثیت ایک معتزلی کے علمی دنیا میں قدم رکھا اور شروع میں ان ہی الٰہیاتی مسائل سے بحث کی، جو عام طور پر معتزلہ کے یہاں زیر بحث تھے لیکن جلد ہی وہ ان محدود مسائل سے آگے نکل گیا۔ وہ غالباً یونانی اور سریانی زبانوں سے واقف تھا۔ اس کی اس واقفیت نے اسے فلسفۂ یونان سے دوچار کیا۔ علاوہ ازیں اس زمانہ میں نہ صرف سریانی کے ذریعہ یونانی کتب کا عربی ترجمہ ہو رہا تھا۔ بلکہ یونانی سے بلاواسطہ بھی ترجمہ شروع ہو چکا تھا۔ 'مامون' کے زمانہ میں الکندی یونانی اور یونانی زبانوں سے عربی میں مختلف کتابوں کے ترجمے کرنے کے لیے مقرر کیا گیا۔ اس نے یونانی کی کئی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کیا۔ ان کے خلاصے مرتب کیے اور ان پر شرحیں رقم کیں۔ ان کے علاوہ اس نے خود بھی بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔ اسے بہت سے علوم پر دسترس حاصل تھی۔ فلسفہ میں تو تھا ہی وہ پہلا عرب فلسفی اور عربی فلسفہ کا موسس۔ اسے فلسفہ کی مختلف شاخوں، مابعد الطبیعات نفسیات، منطق، اخلاقیات سے دلچسپی تھی۔ ان کے علاوہ طب، فلکیات، موسیقی، ہندسہ، سیاسیات

کیمیا پر بھی اس نے کتابیں لکھیں۔ اس کی کل تصانیف کی تعداد تقریباً دوسو ستر ہے[۲۷]۔ لیکن اس کی بہت سی کتابیں تاحال دستیاب نہیں ہوسکی ہیں۔ اس نے ارسطو کی "مابعد الطبیعیات" اور بطلیموس کے "جغرافیہ" کا ترجمہ کیا۔ "اقلیدس" کے عربی ترجمہ پر نظرثانی کی۔ ارسطو کی "البرہان" (ANOLYTICA POSTERIORA) "المغالط" (SOPHISTICA ELENCHI) "معقولات" (CATEGORIES) اور "معذرت" (APOLOGY) (جس کا ارسطو کی تصنیف ہونا مشتبہ ہے) بطلیموس کی "المجسطی" (ALMAGESTA) اقلیدس کی "عناصر" (ELEMENTS) پر شرحیں لکھیں۔ اور ارسطو کی "الشعر" (POETICA) اور "التفسیر" (HERMENEUTICA) اور فرفوریوس کی "ایساغوجی" (ISAGOGE) کے عربی میں خلاصے تیار کیے۔ ان کے علاوہ اس نے "الہیات ارسطو" کے عربی ترجمہ پر نظرثانی بھی کی۔ جیسا کہ عرض کیا جاچکا ہے۔ یہ کتاب حقیقتاً فلاطینوس کی کتاب "اینیڈس" کے تین ابواب کا ترجمہ تھی۔ لیکن الکندی نے اسے غالباً ارسطو ہی کی تصنیف سمجھا اور اس کے بعد بھی یہ کتاب کافی عرصہ تک ارسطو ہی کی تصنیف سمجھی جاتی رہی۔ مندرجہ بالا تراجم وغیرہ کے علاوہ اس نے بہت سی طبع زاد کتابیں بھی رقم کیں جن میں "عقل" اور "جواہر خمسہ" رسائل سب سے زیادہ مشہور ہیں۔ سات یا آٹھ کتابیں موسیقی پر لکھیں۔ ان میں سے ایک کتاب جو اس وقت نایاب ہے، مغرب میں بہت مقبول تھی۔ اس نے تال (ایقاع) پر بھی ایک نہایت بلند کتاب لکھی تھی۔ آٹھ کتابیں بصریات پر تھیں مختلف معدنیات اور جواہرات پر بھی اس نے متعدد کتب رقم کیں۔ کیمیا گری کے خلاف اس نے دو کتابیں لکھیں۔ ان کے علاوہ اس نے اور بھی بہت سی کتابیں تصنیف کیں لیکن افسوس حادثاتِ زمانہ نے ہمیں ان میں سے اکثر سے محروم کر دیا ہے۔

نظریات

عرض کیا جاچکا ہے کہ الکندی اس جماعت کا پیش رو تھا جو مسلمانوں میں فلاسفہ کے نام سے مشہور ہے۔ الکندی نے فلسفہ کے جن مسائل کو پیش کیا، ان میں سے اکثر مسائل کو بعد کے مفکرین

فارابی، ابن سینا، ابن رشد وغیرہ نے اپنایا اور مسلم فلسفہ میں یہ مسائل بنیادی حیثیت اختیار کر گئے۔

افلاطون اور ارسطو میں تطابق۔

کندی اگرچہ یونانی زبان سے واقف تھا اور اس نے بعض نے یونانی کتب کا براہ راست عربی میں ترجمہ کیا، لیکن وہ ارسطو کی نوفلاطونی تشریحات سے کافی متاثر تھا، اس کے طبیعاتی، مابعد طبیعاتی اور نفسیاتی نظریات میں یہ اثرات صاف نمایاں ہیں۔ ارسطو اور اس کے نوفلاطونی شارحین کے علاوہ کندی، سقراط، افلاطونی اور فیثاغورث سے بھی خاصا متاثر تھا، سقراط کو وہ انسان کامل سمجھتا تھا۔ اس نے اس کی زندگی اور اس کے نظریات کے متعلق مفصل بحث کی ہے اور اس کی موت کا ذکر نہایت پُر درد انداز سے کیا ہے۔ اس نے نوفلاطونیوں کی طرح ارسطو اور افلاطون کے نظریات میں مطابقت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ فارابی اور اس زمانے کے دوسرے مفکرین نے الکندی کی اس کوشش کو آگے بڑھایا۔ حقیقت یہ ہے کہ دونوں مفکرین کے نظریات کو باقاعدہ طور پر ممیز کرنے میں تقریباً تین صدیاں اور صرف ہوئیں۔ ایک طرف الکندی نے ارسطو اور افلاطون کے نظریات میں تطابق پیدا کرنے کی کوشش کی اور دوسری طرف ارسطو کے نظریات کو قرآن کریم کے مطابق ثابت کرنا چاہا۔ عقیدہ کے لحاظ سے وہ پکا مسلمان تھا اور قرآن کریم کو صداقتِ کلی کا مجموعہ سمجھتا تھا اور بحیثیت فلاسفر وہ ارسطو کے نظریات کو صحیح مانتا تھا، اس لیے اس نے ارسطو کے نظریات کو قرآن کریم کی تعلیمات کے مطابق ثابت کرنے کی کوشش کی۔ اور بعض مسائل مثلاً بقائے روح کے متعلق تاویلات پیش کیں۔ اس ضمن میں فارابی اور دوسرے بعض مفکرین نے بھی اس کی پیروی کی۔

ریاضی کی اہمیت

الکندی نے شروع میں ان مسائل سے بحث کی جو معتزلہ کے یہاں زیر بحث تھے لیکن فلسفہ کے مطالعہ سے اس کے دائرۂ فکر میں وسعت پیدا کی۔ اور اس نے فلسفہ کے بنیادی مسائل

پر توجہ مبذول کی۔ نویں صدی عیسوی میں فلسفہ طبیعات بھی مفکرین میں مقبول ہو رہا تھا، جسے بعد میں ابو بکر رازی اور اخوان الصفا نے کافی ترقی دی۔ یہ مفکرین فیثا غورث سے کافی متاثر تھے۔ الکندی نے اگرچہ مابعد الطبیعاتی اور نفسیاتی مسائل کی طرف زیادہ توجہ دی لیکن وہ بھی افلاطون کی طرح فلسفہ کے لیے ریاضی کا مطالعہ لازمی قرار دیتا ہے۔ اس کے خیال میں ایک فلسفی کے لیے ریاضی کا مطالعہ اس قدر لازمی اور ضروری ہے کہ اس کے بغیر فلسفہ کا مطالعہ ممکن نہیں۔ ریاضی کے مسائل کو ایک طرف اس نے علم الطب پر منطبق کیا۔ اور مرکبات ان کے اجزاء اور ان کے اثرات پر بحث کی اور دوسری طرف حواس اور مہیجات کے تعلق کو پیش کیا۔ اگرچہ وہ مہیج اور حس کے تعلق کو پوری طرح واضح نہ کر سکا، لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ پہلا مفکر ہے جس نے اس مسئلہ پر توجہ مبذول کی، جسے موجودہ زمانے میں وبیر اور فشنر نے پوری طرح پیش کیا۔ نشاۃ الثانیہ کے مشہور مفکر کردان نے اسی مسئلہ کو پیش کرنے کی بنا پر کندی کا شمار سولھویں صدی تک کے بارہ عظیم ترین مفکرین میں کیا ہے۔

خدا

مذہبی عقائد کے لحاظ سے وہ بہت حد تک معتزلی تھا۔ شروع میں اس نے انھیں مسائل پر بحث کی، جو اس جماعت میں زیر بحث تھے۔ اس نے خدا کی وحدت اور عدل پر زور دیا ہے وہ اس نظریئے کا مخالف تھا جو اس زمانہ میں ہندی یا برہمنی نظریہ کہلاتا تھا اور جس کی رُو سے عقل کو حقیقت تک پہنچنے کا واحد ذریعہ سمجھا جاتا تھا۔ وہ حقیقت تک پہنچنے کے دو ذرائع مانتا ہے، عقل اور حواس۔ اس کے اس نظریہ کی اساس اُس کے نظریۂ روح پر استوار ہے۔ اس کے لحاظ سے روح، عقل اور مادہ دونوں سے متعلق ہے۔ اور دونوں کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے بھی دو ذرائع ہیں۔ عقل اور حواس۔ تخیل ان دونوں کے درمیان واسطہ کا کام دیتا ہے۔ حواس کے ذریعہ ہم جزئیات کے متعلق معلومات حاصل کرتے ہیں اور عقل کے ذریعہ

کُل کے متعلق علم حاصل کرنے کے لیے یہ ضروری ہیں اور ایک کے بغیر دوسرا عمل پیرا نہیں ہوسکتا لیکن اس کے باوجود وہ وحی کا قائل ہے اور اُسے عقل کے عین مطابق سمجھتا ہے۔ وہ عقل اور وحی میں کسی قسم کا اختلاف ماننے کو تیار نہیں یہ دونوں حقیقت کی طرف ہماری رہنمائی کرتی ہیں اور اس لیے ان میں اختلاف کا سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا۔ عقل کا کام علّت العلل کو معلوم کرنا ہے اور ہمارا یہ مذہبی فرض ہے کہ ہم احکاماتِ خداوندی پر غور وخوض کریں جو وحی کے ذریعہ ہم تک پہنچائے گئے ہیں۔

اس نے مختلف مذاہب عالم کا مقابلہ کرکے یہ ثابت کیا ہے کہ تمام مذاہب اس بات پر متفق ہیں کہ یہ عالم ایک علت العلل، واحد اور ازلی قوت کی تخلیق ہے گو اس ضمن میں ہماری معلومات ہماری زیادہ رہنمائی نہیں کرسکتیں، بہرحال صاحبِ ادراک کا یہ فرض ہے کہ وہ اس علت العلل کو مانے۔ خدا تعالےٰ نے اس طرف ہماری رہنمائی کی ہے اور اس مقصد کے لیے انبیاء بھیجے ہیں جن کی اطاعت میں نجات ہے۔ اور جن کی غیر فرمانبرداری میں ابدی عذاب۔

علّت و معلول

خدا تعالیٰ نے اس عالم کو تخلیق کیا ہے لیکن آفرینش کے اس سلسلہ میں خدا اور عالم کے درمیان بہت سے درمیانی واسطے پائے جاتے ہیں۔ ان واسطوں میں سے سب سے اعلےٰ واسطہ عقل کا ہے اور اس کے بعد روح اور مادی عالم کا۔ یہ اسی ترکیب سے ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ عقل فعال روح انسانی کی علّت ہے اور روح مادی عالم کی۔ ہر اعلیٰ چیز اپنے سے ادنیٰ چیز کی علّت ہے لیکن کوئی معلول اپنی علّت پر اثر انداز نہیں ہوسکتا کیونکہ علّت اعلیٰ ہے اور معلول نسبتاً ادنیٰ۔ صرف اعلےٰ اپنے سے ادنیٰ کو متاثر کرتا ہے۔ ادنیٰ اعلیٰ پر کسی طریقہ سے اثر انداز نہیں ہوسکتا۔ واقعاتِ عالم قانون علّت و معلول سے متعین ہوتے ہیں۔ اگر ہمیں علّت کے متعلق مکمل معلومات حاصل ہوں تو نتیجۃً ہمیں معلول کے متعلق بھی

معلومات حاصل ہو جائیں گی ۔ نہ صرف یہ بلکہ اس عالم کا ہر واقعہ باقی تمام واقعات کا آئینہ ہے ۔ کیونکہ وہ جب ایک ہی قانون علت و معلول کے تحت عمل پیرا ہوتے ہیں ۔

عقل اصل حقیقت ہے اور قوتِ فاعلکی حامل ہے ۔ مادہ عقل کے تحت ہے اور اُسے وہی شکل اختیار کرنی پڑتی ہے جو عقل چاہتی ہے ۔ عقل ربانی اور مادی عالم کے درمیان روح کا درجہ ہے جو مادی عالم کی تخلیق کا باعث ہے ۔ روح انسانی ، جوہر عقلی غیر مادی اور غیر فانی ہے ۔ یہ عقل ربانی کا مظہر ہے اور ایک طرف مادہ سے متعلق ہے اور دوسری طرف عقل ہے روح انسانی اگرچہ مادہ اور جسم سے متعلق ضرور ہے لیکن اپنے جوہر میں جسم سے بالکل آزاد ہے ۔ وہ جسم انسانی کے ساتھ فنا نہیں ہوتی ۔ کیونکہ اس کا اصل تعلق عقل سے ہے ۔ جو غیر فانی ہے ۔

روحِ انسانی خواہشات عالم میں گھری ہوئی ہے جن سے وہ عہدہ برآ نہیں ہو سکتی اور اس لیے حقیقت عالم تک پہنچنا چاہتی ہے ۔ لیکن اس دنیا میں حقیقت پہنچنا ناممکن ہے ، کیونکہ یہ ہمیشہ تبدیل ہوتی رہتی ہے ۔ حقیقت تک پہنچنے کے لیے انسان کو عقل کو اپنا رہنما بنانا پڑتا ہے اور صرف عقل اس کی رہنمائی کر سکتی ہے ۔ انسان کا فرض ہے کہ وہ عقل کی رہنمائی قبول کرے ، خدا کا خوف دل میں رکھے ، علم حاصل کرنے کی کوشش کرے اور نیک اعمال سرانجام دے ۔

الکندی کے خیال میں موت کے بعد جسم فنا ہو جاتا ہے لیکن روح انسانی جو جسم انسانی میں عقلِ فعال کی وساطت سے نفوذ حاصل کرتی ہے ، پھر اپنے اصل کی طرف لوٹ جاتی ہے اور اس لیے غیر فانی ہے ۔ اس لحاظ سے اس کا یہ نظریہ قرآن کریم کے عین مطابق ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ کندی اور دیگر مسلم فلاسفہ کا یہ نظریہ انفرادی روح کی بقاء کو ثابت نہیں کر سکتا ۔ اور قرآن کریم کی تعلیم کے خلاف ہے ۔ کیونکہ اس نظریئے کے مطابق ایک فرد کی روح اپنی انفرادی حیثیت سے ختم ہو جاتی ہے اور صرف رُوح کُل کے ایک جزو کے طور پہ باقی رہتی

ہے۔ اس طرح نہ اس کی انفرادیت اور وقعت باقی رہتی ہے۔ اور نہ جزا وسزا کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ کیونکہ فرد کی روح انفرادی حیثیت سے تو ختم ہی ہو جاتی ہے۔

عقل

الکندی نے عقل کے اس نظریہ کو پیش کیا جسے فارابی، ابن سینا اور ابن اشعر نے بعد میں ترقی دی۔ ارسطو نے "کتاب الحیوان" میں روح کے دو مدارج بیان کیے ہیں۔ عقل فعّال اور عقل انفعال۔ عقل فعال جسم انسانی کے ساتھ شروع ہوتی ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی فنا ہو جاتی ہے۔ اور عقل فعال رُوحِ کُل کے مظہر کے طور پر روح انسانی میں عمل پیرا ہوتی ہے۔ ارسطو کے نو فلاطونی شارحین نے اس نظریہ کو آگے بڑھایا۔ اور کندی نے اس نظریہ کو مزید تقویت دی۔ وہ روح میں عقل کے چار مدارج بیان کرتا ہے۔

۱۔ عقل ہیولانی

۲۔ عقل بالفعل

۳۔ عقل مستفاد

۴۔ اور عقل فعّال

عقل ہیولانی۔ یہ انسان میں مخفی طور پر بالقوۃ موجود ہوتی ہے اور نہ صرف انسان بلکہ تمام جانوروں میں موجود ہوتی ہے۔ یہ حقیقتاً ارسطو کی "عام عقل" سے مشابہ ہے اس کے ذریعہ سے انسان مادی اشیاء کی حقیقت تک پہنچ سکتا ہے۔ یہ وہ مخفی قوت ہے جس پر عقل کا دوسرا درجہ، عقل بالفعل عمل پیرا ہوتا ہے اور قوت کو عمل میں تبدیل کر دیتا ہے۔ مثلاً۔ جو شخص لکھنا پڑھنا سیکھ چکا ہے، اس میں لکھنے پڑھنے کی صلاحیت اور قوت پہلے سے موجود تھی۔ عقل بالفعل اس قوت کو فعلی حالت میں لے آتی ہے جو شخص لکھنا پڑھنا جانتا ہے اور وہ لکھتا پڑھتا ہے لیکن لکھنے پڑھنے کا یہ عمل عقل بالفعل کی وساطت سے ہو رہا ہے۔ قوۃ کو عمل میں تبدیل کرنا عقل بالفعل کا کام ہے۔ عقل کا تیسرا درجہ عقل مستفاد ہے۔ لکھنے پڑھنے

عمل کی جو عقل رہنمائی کرتی ہے، وہ عقل مستفاد ہے۔ یہ عقل فعال کے ذریعہ عمل کرتی ہے اور عقل فعال ہی کے اثر سے عقل مستفاد کا نشو و نما ہوتا ہے۔ عقل فعال استعداد خارجی ہے جو خدا کی طرف سے بصورت تنویر آتی ہے اور عقل انسانی کو نئی قوتیں بخشتی ہے۔ یہ انسانی جسم اور اس کی مختلف استعداد پر عمل پیرا ہوتی ہے لیکن خارجی ہونے کی بنا پر جسم سے آزاد ہوتی ہے کیونکہ اس کے علم کا دار و مدار انسان کے ان ادراکات پر نہیں ہوتا جو وہ حواس کے ذریعہ حاصل کرتا ہے۔ بلکہ اس کا تعلق خدا سے ہے جو اس کا صدور ذہن انسانی پر کرتا ہے۔

جواہر خمسہ

ارسطو کسی شے کے بیان کرنے کے لیے دس معقولات پیش کرتا ہے۔ جوہر، کمیت، کیفیت، ربط، مکان، زمان، محل، حالت، فعل اور انفعال۔

لیکن کندی اپنے 'جواہر خمسہ' کے مضمون میں مادہ، صورت، حرکت، زمان اور مکان کے تصورات پر بحث کرتا ہے۔

۱۔ مادہ وہ جوہر ہے جو دوسرے جواہر کو قبول کرتا ہے مگر خود مادے کو دوسرے جواہر بطور صفت کے قبول نہیں کر سکتے۔ دوسرے جواہر کی موجودگی کا انحصار مادہ پر ہے اور اگر مادہ کو ہٹا دیا جائے تو دوسرے چاروں جوہر زائل ہو جاتے ہیں۔

۲۔ صورت بغیر مادہ کے موجود نہیں ہو سکتی۔ یہ دو قسم کی ہوتی ہے۔ اول وہ جو مادہ کا جوہر ہوتی ہے اور اس کے لیے لازمی۔ یہ مادہ سے علیحدہ نہیں کی جا سکتی۔ اور دوسری وہ جو خود شے کے بیان کا کام دیتی ہے۔ صورت کی یہ قسم وہ استعداد ہوتی ہے جس کے ذریعہ ایک شے بے صورت مادہ سے پیدا ہوتی ہے۔ مادہ اپنی اصلی حالت میں مجرد مگر حقیقی ہوتا ہے لیکن دوسری صورت میں آنے لیعنی بننے کے بعد یہ ایک صورت حاصل کر لیتا ہے اور غیر حقیقی بن جاتا ہے۔

۳۔ حرکت بھی صورت کی طرح بغیر مادہ کے ممکن نہیں۔ یہ چھ قسم کی ہو سکتی ہے۔ دو، جوہر

کے تغیرات ہیں۔ یعنی تعمیر و تخریب ۔ دو کمیت کے تغیرات ہیں یعنی اضافہ اور کمی ۔ ایک تغیر کیفیت کا ہے اور ایک مقام کا۔

۴ ۔ زمان، حرکت کے مشابہ ہے ۔ لیکن یہ ایک بات میں حرکت سے مختلف ہے زمان صرف ایک جہت میں آگے بڑھتا ہے ۔ اس کے برخلاف حرکت کی مختلف جہتیں ہوتی ہیں۔

۵ ۔ مکان وہ سطح ہوتی ہے جو جسم پر محیط ہوتی ہے لیکن جسم کو ہٹانے کے باوجود مکان کا وجود ختم نہیں ہوتا ۔ کیونکہ خلا ناممکن ہے ۔ اور وہ خالی جگہ کسی اور شے مثلاً پانی ہوا وغیرہ سے پُر ہو جاتی ہے ۔

کیمیاگری

الکندی کیمیاگری کے سخت خلاف تھا۔ اس نے اس کے خلاف دو کتابیں لکھیں اور ان میں ثابت کیا کہ کیمیاگری دھوکا ہے ۔ وہ اس شغل کی مذمت کرتا، اسے عبث قرار دیتا اور دولت اور عقل کا دشمن سمجھتا ہے، اس کے خیال میں مصنوعی طریقہ سے کسی دھات کو سونے میں تبدیل کرنا ناممکن ہے ۔ فارابی کیمیاگری کو مانتا ہے لیکن الکندی کی طرح ابن سینا بھی اس کے خلاف ہے ۔ فارابی کے لحاظ سے تمام معدنیات بنیادی طور پر ایک ہی جنس سے متعلق ہیں اور ان میں جو فرق ہے وہ صرف عوارض کا اور اس فرق کو انسان دُور کر سکتا ہے ۔ لیکن ابن سینا فارابی کے اس نظریہ پر اعتراض کرتے ہوئے کہتا ہے کہ کسی مصنوعی طریقہ سے مختلف معدنیات کو ان کی اعلیٰ ترین شکل میں تبدیل کر دینا (یعنی سونا بنانا) ناممکن ہے ۔ اس کا صرف ایک طریقہ ہے اور وہ قدرتی ہے ۔ لیکن تعجب ہے کہ الکندی علم نجوم کا قائل ہے ۔ اگرچہ مسلم مفکرین میں سے اکثر نے نجوم کی مخالفت کی ہے ۔ لیکن الکندی اسے صحیح سمجھتا ہے اور یورپ میں وہ بحیثیت ماہر نجوم بھی مشہور ہے ۔ اس کے خیال میں نجوم، فلسفہ اور حکمت کی ایک شاخ ہے ، اور وہ اس کی بنیاد میں ریاضی اور طبیعات پر استوار کرتا ہے ، وہ ان چند مفکرین میں سے ایک ہے جنھوں نے علم نجوم کو باقاعدہ علمی شکل دینے کی کوشش کی ہے ۔

اہمیت

الکندی وہ پہلا مفکر تھا جو مسلمانوں میں فیلسوف کے لقب سے مشہور ہے اس نے یونانی فلسفہ کو مسلمانوں میں عام کیا۔ اور مشرق و مغرب میں ایک ایسی جماعت کا پیش رو بنا، جس نے عام طور پر ان ہی مسائل پر بحث کی اور انھیں آگے بڑھایا، جنھیں الکندی نے سب سے پہلے پیش کیا تھا۔ مشرق میں اس جماعت کے مشہور نمائندے فارابی اور ابن سینا تھے۔ اور مغرب میں ابن اشعر۔

مسلمانوں میں وہ بحیثیت ایک فلسفی اور ارسطو کے شارح کے مشہور ہوا۔ لیکن یورپ میں وہ فلسفی سے زیادہ ماہر طب اور ماہر علم نجوم مانا گیا۔ اور یورپ میں وہ اسی حیثیت سے زیادہ مشہور ہوا۔ قرون وسطیٰ میں اس کی کچھ کتابوں کے لاطینی میں ترجمے ہوئے ہیں جن سے راجر بیکن خاص طور سے بہت متاثر ہوا۔

بہرحال یورپ میں الکندی کو وہ شہرت، عزت اور منزلت حاصل نہ ہو سکی جس کا وہ حقیقتاً مستحق تھا اور وہ اس کی سب سے بڑی وجہ اس کی اکثر تصانیف کا نیست و نابود ہو جانا ہے!